جنگل
میں
دھنک
منیر نیازی

جنگل میں دھنک

مُنیر نیازی

ماوَرا پبلشرز۔ ۳ بہاولپور روڈ۔ لاہور

باذوق لوگوں کے لیے
ھماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت
خالد شریف
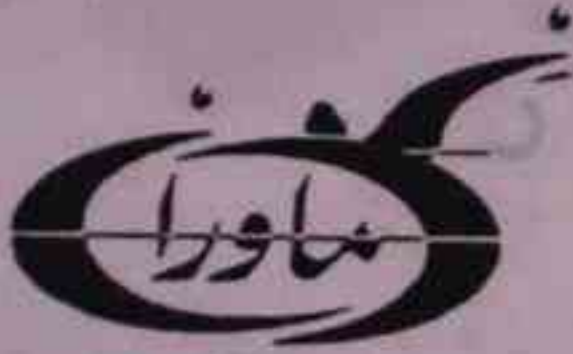
جنگل میں دھنک

اکونومی ایڈیشن 1993ء

ناشر خالد شریف
مطبع شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت 40 روپے

قدرت اللہ شہاب کے نام ــــــ

ترتیب

" " "

تعارف

ڈرتا ہوں منیر نیازی اور اس کی شاعری کے بارے میں یہ چند سطور لکھتے وقت
میری نظروں کے سامنے اس کی شخصیت کا وہ رُخ نہ آجائے جس پر اس کی اور
میری دوستی کے خدوخال ہیں۔ زندگی کا ایک حصہ ہم نے ایک دُوسرے کے
قریب ایک ہی فضا اور ایک ہی شہر میں گزارا ہے۔ میں ہمیشہ اس کی صلاحیتوں
کا معترف رہا ہوں لیکن جو کچھ میں اب لکھنا چاہتا ہوں وہ صرف بحیثیت
ایک ہم قلم کے ہے۔ اس کے کلام کے بارے میں جو کچھ میرا تاثر ہے اس
کے اظہار میں مَیں اپنے ذاتی تعلقات کو مخل نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے سب
سے زیادہ اس کی شاعری کی وہ فضا پسند ہے، وہ فضا، جو اس کی زندگی کے
واقعات، اس کے ذاتی محسوسات اور اس کی شخصیت کی طبعی افتاد سے اُبھرتی
ہے۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے جذبے کی صداقت کے ساتھ لکھا ہے۔ اور
اس کے احساسات کسی عالمِ بالا کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ اس کی اپنی زندگی کی
سطح پر کھیلنے والی لہریں ہیں۔ انہی نازک، چنچل، بے تاب، دھڑکتی ہوئی لہروں
کو اس نے شعروں کی سطروں میں ڈھال دیا ہے، اور اس کوشش میں اس
نے انسانی جذبے کے ایسے گریزپا پہلوؤں کو بھی اپنے شعر کے جادو سے اُجاگر
کر دیا ہے جو اس سے پہلے اس طرح ادا نہیں ہوئے تھے۔ یہی منیر نیازی کا

کمالِ فن ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی بدبختی۔ وہ لوگ، اور پاکستان میں
لاکھوں ایسے انسان بستے ہیں جو ایک مانوس طرزِ فکر، ایک بنے بنائے،
واضح و معین اندازِ اظہار اور ایک روندے ہوئے اسلوبِ بیان کو قرنوں
سے دیکھتے آئے تھے۔ اس نئی آواز کی معنی اندوز لطافتوں سے اخذِ کیف نہ
کر سکے۔ کہنے والوں نے جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا۔ شاید یہ لوگ سچے تھے۔ شاید
منیر نیازی نے جو کچھ لکھا ان کے لیے نہیں لکھا تھا۔ جب قاری کی طرف سے
ردِ عمل اس قسم کا ہو تو شاعر کا انجام معلوم! چنانچہ منیر نیازی کو جو سزا ملی کس سے
مخفی ہے؟ زمانہ شاعر کو یہی کچھ دیتا ہے! ہمارے اس معاشرے میں ہر
چیز کو سونے کی میزان میں تولا جاتا ہے۔ یہ کون جانتا ہے کہ جس کے دامن
میں خوبصورت نظموں کے پھول تھے اس کو اس بھری دنیا میں کیا کیا مصائب
جھیلنے پڑے۔ یہ سب کچھ میں اس لیے نہیں جانتا کہ میں منیر کا دوست ہوں۔
لاہور کے در و دیوار سے۔ لاہور کے رنگین راستوں اور حسین فضاؤں سے آپ
پوچھ لیجیے کس طرح ایک شعلوں میں لتھڑی ہوئی روح صرف شعر کی لگن میں کتنی
بے خواب راتوں کی گہری چپ میں اس طرح سرگرداں رہی ہے جیسے اسے
نانِ جویں کی بھی طلب نہ تھی۔ اور لوگوں کے ساتھ تال بجاتے داد گروں کی
ٹولیاں تھیں۔ عظیم نظریوں کے کولہ ہائے جلال تھے۔ مسندیں تھیں۔ اورنگ
تھے۔ منیر نیازی کے پاس کیا تھا؟ کوئی سایۂ دیوار بھی نہ تھا۔ صرف شعر کہنے کی
دُھن۔ یوں اپنے آپ میں تنہا اس نے اپنی زندگی کی ایک ایک تڑپ، اپنے

تجربات کی ایک ایک کسک ہوا کے جھونکوں کی سوئیوں سے تراشی ہوئی سطور کے اندر رکھ دی۔ آج زر و سیم کی قدروں میں کھوئی ہوئی یہ مخلوق جنگل کی اس دھنک کو کیا دیکھے گی! اس صحیفے کو رکھ دو۔ سجا کر رکھ دو اس اونچی الماری میں! ابھی اس بازار سے جانے کتنی نسلوں کے جلوس اور گزریں گے! یہ جلوس ہنستے کھیلتے، قہقہے لگاتے مہ و سال کے غبار میں کھو جائیں گے۔ زمانے کی گرد میں۔ ہم سب اسی گرد کا حصہ ہیں۔ ہم سب اور میں بھی۔ لیکن خیال اور جذبے کی ان دیکھی دنیاؤں کے پرتو فطرت کے رنگوں اور خوشبوؤں میں تحلیل ہوتی نظروں کی جاگرتی، تیرتی بدلیوں کے سایوں میں ہوتے دلوں کی کروٹ جو اس کے شعروں اور شبدوں میں مجسم اور جاوید ہو کر رہ گئی ہے اردو نظم کے مرحلہ ہائے ارتقاء کی ایک جاندار کڑی ہے۔ کون ان نقوش کو بھلا سکے گا۔ وہ خود کہتا ہے:-

مری طرح کوئی اپنے لہو سے ہولی کھیل کے دیکھے
کالے کٹھن پہاڑ دکھوں کے سر پہ جھیل کے دیکھے
میرے ہی ہونٹوں سے لگا ہے نیلے زہر کا پیالہ
میں ہی وہ ہوں جس کی چتا سے گھر گھر ہوا اجالا

مجید امجد

دُور کا مُسافر

کل دیکھا اِک آدمی ، اٹا سفر کی دُھول میں
گُم تھا اپنے آپ میں ، جیسے خُوشبو پھُول میں

ماضی

یہ کہنہ محل جس کے رنگیں دریچوں سے لپٹی ہوئی عشق پیچاں کی بیلیں

منڈیروں ستونوں پہ پھیلی ہوئی سبز کائی

سرِ شام چلتے ہوئے سرد جھونکوں میں سسکاریاں بھر رہی ہے

جہاں اب ہوا، اُس کے پائیں چمن کے خزاں دیدہ پیڑوں کی شاخوں

پہ سرگوشیوں کے شگوفے کھلانے سے شرما رہی ہے

یہاں - ایک دن تھا کہ شیریں صداؤں کے جھنڈ

آرزوؤں کے بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے راحتوں کے نشاں تھے

یہاں ہر دریچہ

حسیں، ہمہماتے، وفا کیش چہروں کی آماجگاہ تھا

یہ باغ ان گنت خوشبوؤں، چہچہاتے پرندوں

گھنیرے درختوں کی اک دل نشیں جلوہ گہ تھا

یہ چپ چاپ سنگیں عمارت، تب اتنی پرانی نہیں تھی

مگر آج جس سمت دیکھو

نگاہوں کے کشکول میں

سُونے بام و در و سقف

سوکھے درختوں سے جھڑ کر گرے زرد پتّوں، چٹختی ہوئی ٹہنیوں کے

سوا کچھ نہیں ہے!

تُو

وہاں جس جگہ پر صدا سو گئی ہے
ہر اک سمت اُونچے درختوں کے جھُنڈ
اَن گنت سانس روکے ہُوئے چُپ کھڑے ہیں
جہاں ابر آلود شام اُڑتے لمحوں کو روکے ابد بن گئی ہے
وہاں، عشقِ پیچاں کی بیلوں میں لپٹا ہُوا اک مکاں ہو!
اگر میں کبھی راہ چلتے ہُوئے اُس مکاں کے دریچوں کے
نیچے سے گزروں
تو اپنی نگاہوں میں اک آنے والے مُسافر کی
دُھندلی تمنا لیے تُو کھڑی ہو!

قفسِ رنگ

بہت دن ہوئے
مَیں نے اِک بادلوں سے بھری صبح کو
خوابگہ کے دریچے سے جھانکا
تو پایئں چمن کا ہر اِک پھول
حیرت زدہ لڑکیوں کی لجاتی ہوئی آنکھ کی طرح
میری طرف تک رہا تھا!

مجھے بھول کر
اپنے بستے گھروندوں میں ہنستی ہوئی لڑکیو!
مجھ کو اُس بادلوں سے بھری صبح کے
گہری حیرت میں گم، شرم آلود پھولوں کی مانند
تمہیں دیکھ کر کانپ اُٹھنے کی
وہ اوّلیں ساعتیں یاد ہیں!

سائے

کسی سائے کا نقش گہرا نہیں ہے
ہر اک سایہ اک آنکھ ہے
جس میں عشرت کدوں، نارسا خواہشوں
ان کہی دل نشیں داستانوں کا میلہ لگا ہے
مگر آنکھ کا سحر
پلکوں کی چلمن کی ہلکی سی جنبش ہے
اور کچھ نہیں ہے
کسی آنکھ کا سحر دائم نہیں ہے

ہر اک سایہ
چلتی ہوا کا پُراسرار جھونکا ہے
جو دُور کی بات سے
دل کو بے چین کر کے چلا جائے گا
ہر کوئی جانتا ہے
ہواؤں کی باتیں کبھی دیر تک رہنے والی نہیں ہیں
کسی آنکھ کا سحر دائم نہیں ہے
کسی سائے کا نقش گہرا نہیں ہے

ایسی کتنی شامیں

ابھی سرد ، بوجھل ہوا جی اُٹھے گی
ابھی ناریل کے درختوں پہ، ساحل پہ
چھا جائے گا اک نشیلا اندھیرا
معطّر لبوں ، مدھ بھری دھیمی باتوں
کے انبوہ ہر سمت آوارہ ہوں گے
ابھی آرزوؤں کے بے حرف کتبے
اُبھر آئیں گے
بے گل و برگ یادوں کی اُجڑی ہُوئی بستیوں سے
یہیں تیرگی میں.
میں چپ چاپ گزرے زمانوں کی قبروں کو گنتا رہوں گا
بہت دُور ظلمت کے قاصد ستارے چمکتے رہیں گے

ہزار داستان

جدھر بھی دیکھیں
مہکتے ہونٹوں کے سُرخ گلشن کھلے ہُوئے ہیں
جہاں بھی جائیں
حیا کے نشے سے چُور آنکھیں
دلوں میں گہری اُداسیوں کو اُتارتی ہیں
ہزار گوشے ہیں
جن سے پاگل بنانے والی
سیاہ زلفوں کی مست خوشبو اُمڈ رہی ہے
مگر وہ اک ایسا پیارا چہرہ
جو اک رُت کے اُداس جھونکے
کے ساتھ آکر
چلا گیا ہے!

ہوا کا گیت

مرا راستہ روکنے کی نہ کوشش کرو
مَیں ہوا ہوں
مری کھوج میں جنگلوں، گلستانوں، پہاڑوں، پُرانے مکانوں
میں جاؤ گے تو ایک جانکاہ دُکھ کے سوا
اور کچھ بھی نہیں مل سکے گا
سیہ کالی راتوں میں
ہلکی سی آہٹ پہ اُٹھ کر
سُلگتی نگاہوں سے چاروں طرف تکنے والو
کوئی تم میں ایسا بھی ہے ؟
جو رواں ندیوں، راہ چلتی صداؤں کو باہنوں کے گھیرے میں لے کر دکھا دے
چلے جانے والوں کو اک بار واپس بُلا کر دکھا دے

کوششِ رائگاں

ابھی چاند نکلا نہیں
وہ ذرا دیر میں اُن درختوں کے پیچھے سے اُبھرے گا
اور آسماں کے بڑے دشت کو
پار کرنے کی اک اور کوشش کرے گا

فریب

شام ہونے کو ہے
شام ہوتے ہی سُکھ سے بھری اک صدا
جنگلوں سے گزرتی ہوئی آئے گی
وحشتِ غربت کی ٹھنڈی ہوا
اپنے پیاروں سے دُور
اجنبی راستوں پر بھٹکتے دلوں کو سُلا جائے گی

نارسائی

مرا دل محبت کا بھوکا
بلند، اونچے پیڑوں کے جنگل
میں چلتے ہوئے رہرووں سے یہ کہتا ہے:
"مجھ کو اُٹھا لو ——
مجھے اپنے ساتھ اُن المناک رستوں میں لے کر چلو
جن میں ہر آرزو شام کی راگنی بن گئی ہے
جہاں ہر صدا بھیگے سایوں کی خاموش محراب میں چھپ گئی ہے

حسیں رہرو!
میں تمہارے اکیلے گھروں میں
تمہاری حزیں چاہتوں کے غم افروز گیتوں پہ رویا کروں گا!"

مرا دل محبت کا بھوکا
اسی طرح صدیوں سے چاہت کا کشکول لے کر
گھنے جنگلوں کے حسیں رہرووں سے کہے جا رہا ہے:
"مجھے ساتھ لے کر چلو
اجنبی راستوں پر بھٹکتے ہوئے اجنبی دوستو!"

خوشبو کے رنگ

خوشبو کے اس جھونکے میں
کچھ اونچے سرد مکانوں کی
اک لمبی چوڑ گلی ہے
اس میں اک آواز کا جادو
رنگ جمانے آیا
ریشمی پیڑوں کا انگارہ
آگ لگانے آیا
بھولی بُھولی شکلوں کا بادل
نیر بہانے آیا

گلِ صد رنگ

کبھی چمکتے ہُوئے چاند کی طرح روشن
کبھی طویل شبِ ہجر کی طرح غمگیں
شعاعِ لعلِ حنا کی طرح مہکتی ہوئیں
کبھی سیاہیِ کوہِ ندا میں پردہ نشیں

سنبھل کے دیکھ طلسمات اُن نگاہوں کا
دلِ تباہ کی رنگیں پناہ گاہوں کا

گوہرِ مُراد

شاموں کی بڑھتی تیرگی میں
برکھا کے سُونے جنگل میں
کبھی چاند کی مٹتی روشنی میں
رنگوں کی بہتی نہروں میں
ان اُونچی اُونچی کھڑکیوں والے
اُجڑے اُجڑے شہروں میں
کن جانے والے لوگوں کی
یادوں کے دیئے جلاتے ہو؟
کن بھولی بسری شکلوں کو
گلیوں میں ڈھونڈنے جاتے ہو؟

موسمِ بہار کی دوپہر

ہلکی ہلکی گرم ہوا میں ہلکی ہلکی گرد
ویراں مسجد کے پیچھے شہتوت کی سبز قطار
اُس کے عقب میں لال اور نیلے پھولوں کے انبار
اُونچے اُونچے پیڑ ہیں جیسے لمبے لمبے مرد

یا سُنسان قلعے کی خاکی، اُجڑی سی دیوار
جس کے نیچے چھپے ہوئے کچھ دشمن کے سردار
ہاتھ میں پکڑے جگمگ کرتے سورج کی تلوار
چور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں رنگوں کا تہوار

زندگی

شام کا سورج خود اپنے ہی لہو کی دھاریوں میں ڈوب کر
دیکھتا ہے بجھتی آنکھوں سے سوادِ شہر کے سُونے کھنڈر
اس کو لے جائے گی پل بھر میں فنا کے گھاٹ پر
رات کے بحرِ سیہ کی موج ہے گرمِ سفر

دیکھتی آنکھوں افق کے سرد ساحل پر اندھیرا چھائے گا
ڈوبتا سورج ابھی بھولے دنوں کی داستاں بن جائے گا

سرسراتے ریشمی سایوں سے بھر جائے گی ہر اک رہگزر
نازنیں آنکھوں کی صورت ٹمٹمائیں گے خیالوں کے نگر
تیز سانسوں کی مہک اڑتی پھرے گی رات بھر
تُو بھی خوش ہو، میرے دل! نوحہ گرِ شام و سحر!!

پُراسرار چیزیں

جب بھی تارا گرے گا اُس پر
اُس کا دل تو کانپے گا
نئی نئی خواہش کا چیتا
بڑے زور سے ہانپے گا

ایک پتّے سے خطاب

اتنا اُونچا اُڑ رہے پتّے
جتنے اُونچے تارے ہیں
جو دھرتی کو دُور سے تکتی
آنکھ کو کتنے پیارے ہیں

طوفانی رات میں انتظار

اُس کے ریشمیں کپڑے ہیں یا تیز ہوا کا زور
چھن چھن کرتی پازیبیں ہیں یا پتّوں کا شور
آنکھیں نیند سے بوجھل ہیں پر دل بھی ہے بے چین
اسی طرح سے کٹ جائے گی کاجل جیسی رین

تسلّی

ابھی اور کچھ دن اکیلے پھرو
ہواؤں سے دل کی کہانی کہو

سیہ بادلوں سنگ روتے رہو
کبھی چاند کو تک کے آہیں بھرو

بہت جلد وہ شام بھی آئے گی
نئی چھب نگاہوں کو بہلائے گی

مہک گزری باتوں کی مٹ جائے گی
کوئی یاد دل میں نہیں آئے گی

گاؤں کا میلہ

میلہ ہے یہ گاؤں کا، سب ڈھول بجاتے آؤ
وحشی خوں کی موجوں کو طوفان بناتے آؤ
گھر میں چھپے ہُوئے چوروں کا دل دہلاتے آؤ
جسم کی پُراسرار مہک کی آگ جلاتے آؤ

اُونچے نیلے آسمان پر جھولے چڑھتے دیکھو
جادو کے سانپوں کو چھپ کر آگے بڑھتے دیکھو
بچوں والی دُوربین میں تارے جھڑتے دیکھو
سب ننگوں کو بھاگ کر چور پکڑتے دیکھو

تو اور وہ

ایک تیسرا شخص ہے ایسا جس کی شکل بھی میری ہے
اُس نے میرے دل کی دنیا عجب رنگ سے گھیری ہے

سامنے تو کبھی آتا نہیں پر چھُپ کر تکتا رہتا ہے
میرے مکاں کی دیواروں کے پرے بھٹکتا رہتا ہے

جانے کب دیوار پھاند کر چپکے چپکے آئے گا
تیری نئی تصویر اُٹھا کر اُسی طرح چھُپ جائے گا

اُسی سے ڈر کے تجھ سے جھوٹا پیار جتانا پڑتا ہے
جی نہیں کرتا پھر بھی تیرے سامنے آنا پڑتا ہے

ایک خواہش

یخ آلود، ٹھنڈی ہوا
بادلوں سے بھری شام ہو
اور طوفاں زدہ بحر کی تُند موجوں کی مانند
آوازیں دیتے ہُوئے پیڑ ہوں
شہر کی سُونی گلیوں میں اُڑتے ہُوئے خشک پتّوں،
پُراسرار دروازے کُھلنے کی مدھم صدا۔
ریشمی پیرہن سرسرانے کی خوشبوؤں کا شور ہو
اور ہم چُھپکے بیٹھے
کسی کی جفائیں، کسی کی وفا یاد کرتے ہُوئے
اپنے بے چین دل کو سُلاتے رہیں

خواہش اور خواب

اجنبی شکلوں سے جیسے کچھ شناسائی بھی تھی
چاند کچھ نکلا ہوا تھا، کچھ گھٹا چھائی بھی تھی

ایک عورت پاس آکر مجھ کو یوں تکنے لگی
جیسے میری آنکھ میں کوئی دیکھنے کی چیز تھی

دفعتاً لپٹی جو مجھ سے کیا بتاؤں دوستو
وہ گھڑی بیتی جو مجھ پہ کیا سناؤں دوستو
زخم جو دل پہ لگے اب کیا دکھاؤں دوستو

جسم کی گرمی اور اُس کا درد اب تک یاد ہے
ایک ناآسودہ آہِ سرد اب تک یاد ہے

خواہش کے خواب

گھر تھا یا کوئی اور جگہ جہاں میں نے رات گزاری تھی
یاد نہیں یہ ہوا بھی تھا یا وہم ہی کی عیاری تھی
ایک انار کا پیڑ باغ میں اور گھٹا متواری تھی
آس پاس کالے پربت کی چپ کی دہشت طاری تھی
دروازے پر جانے کس کی مدھم دستک جاری تھی

جادو گھر

کسی مکاں میں کوئی مکیں ہے
جو سُرخ پھُولوں سے بھی حسیں ہے
وہ جس کی ہر بات دل نشیں ہے

کبھی کوئی اُس مکاں میں جائے
اور اُس حسینہ کو دیکھ پائے
تو دل میں اک درد لے کے آئے

بھرے جہاں میں عجب سماں ہے
جدھر بھی دیکھو وہی مکاں ہے
وہی مکاں ۔ جو حریم جاں ہے

ساکت زندگی

چق سے لگی دو آنکھیں اور دیواروں کی خاموشی
چھوٹی اینٹ کے فرش پہ نیلے ریشم کا رومال
ایک اندھیرے کمرے میں اک مرد عورت کی سرگوشی

نیم کھلے دروازے کی محراب سے کافی نیچے
لکڑی کی دھلیز پہ سوکھا اور بوسیدہ ہار
اُس سے پرے کچھ رنگ برنگے پھولوں کے باغیچے
گزر رہا ہوں ایک گلی سے اپنی آنکھیں میچے

نگار خانہ

کسی کی شربتی نظر
کوئی مہکتا پیرہن
دمکتی سرخ چوڑیاں!
چمکتا ریشمی بدن
کئی جھکے جھکے شجر
ہرے بنوں میں گھومتی
کوئی اداس رہگزر
حنا کے رنگ میں بسے
کسی نگر کے بام و در
رہیں گے یاد عمر بھر

طلسمِ خیال

اَدھ کھُلے رنگیں نقابوں میں چمکتی بجلیاں
ہر بُنِ مُو سے اُڑتی نکہتوں کی ندّیاں
رہروانِ نیم شب کی جستجو میں چار سُو
راستوں پر پھِر رہی ہیں شب کی جادو گرنیاں

شام کے مسحور کُن رنگوں میں ڈوبی مورتیں
دیدۂ بے خواب کی وسعت میں پنہاں ہو گئیں
عشق کے نشے میں چُور انجان پیاری لڑکیاں
نیند کی ٹھنڈی ہوائیں مست ہو کر سو گئیں

خزانے کا سانپ

ہلاکت خیز ہے اُلفت ، مری ہر سانس خُونی ہے
اسی باعث یہ محفل دل کی قبروں سے بھی سُونی ہے

اسے زہریلی خوشبوؤں کے رنگیں ہار دیتا ہُوں
میں جس سے پیار کرتا ہُوں اُسی کو مار دیتا ہُوں

بھوتوں کی بستی

پیلے منہ اور وحشی آنکھیں
گلے میں زہری ناگ
لب پر سُرخ لہو کے دھبے
سر پر جلتی آگ

دل ہے ان بھوتوں کا یا کوئی
بے آباد مکان
چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا
اک لمبا قبرستان

چڑیلیں

گہری چاندنی راتوں میں یا گرمیوں کی دوپہروں میں
سُونے تنہا رستوں میں یا بہت پُرانے شہروں میں

نئی نئی شکلوں میں آ کر لوگوں کو پھسلاتی ہیں
پھر اپنے گھر لے جا کر ان سب کو کھا جاتی ہیں

اسی طرح وہ گرم لہو کی پیاس بُجھاتی رہتی ہیں
ویرانوں میں موت کا رنگیں جال بچھاتی رہتی ہیں

جسم کی خوشبو کے پیچھے دن رات بھٹکتی رہتی ہیں
لال آنکھوں سے رہگیروں کا رستہ تکتی رہتی ہیں

سپیرا

میں ہوں ایک عجیب سپیرا
ناگ پالنا کام ہے میرا
پیلے پیلے، کالے کالے
رنگ برنگے دھبّوں والے
شعلوں سی پھنکاروں والے
زہریلی مہکاروں والے
ان کی آنکھیں تیز نشیلی
گہری جھیلوں ایسی نیلی
ننھے لہو سے لال زبانیں
جیسے موت کی رنگیں تانیں
مخمل کے رومالوں جیسے
سُرخ گلابی گالوں جیسے

مجھ کو تکتے رہتے ہیں یہ
مجھ کو ڈستے رہتے ہیں یہ
مجھ پر ہنستے رہتے ہیں یہ

میں اور شہر

سڑکوں پہ بے شمار گُلِ خوں پڑے ہُوئے
پیڑوں کی ڈالیوں سے تماشے جھڑے ہُوئے
کوٹھوں کی ممٹیوں پہ حسیں بُت کھڑے ہُوئے

سُنسان ہیں مکان کہیں در کھُلا نہیں
کمرے سجے ہُوئے ہیں مگر راستا نہیں
ویراں ہے پُورا شہر کوئی دیکھتا نہیں
آواز دے رہا ہُوں کوئی بولتا نہیں

گلیوں میں ایک دن

یوں تو کواڑ کھولنے آئی تھی کتنے زور سے
سارا مکان بھر گیا اُس کی صدا کے شور سے

غصّے سے چہرہ سُرخ تھا، آنکھیں غضب بنی ہُوئی
جوشِ جہاں شکست سے پوری طرح تنی ہُوئی

دیکھا جو مجھ کو سامنے تو مسکرا کے رہ گئی
سُرخی وہ اشتعال کی، حباب بن کے بہہ گئی

خالی مکان میں ایک رات

بادل سا جیسے اُڑتا ہوا ایسی صدا سُنی
آواز دے کے چھُپ گیا اک سایہ سا کوئی
جب لالٹین بجھ گئی کوئی ہوا نہ تھی
سردی تھی کچھ عجیب سی، ٹھنڈے مزار سی
بیمار سی مہک تھی کسی خشک ہار کی
پھوٹی کرن کہیں سے نگاہوں کے زہر کی
باہر گلی میں چُپ تھی کسی اُجڑے شہر کی

آدھی رات کا شہر

شہر سارا سو چکا ہو اُس گھڑی دیکھو اُسے
نیند میں گم ہو چکا ہو اُس گھڑی دیکھو اُسے

اُونچی اُونچی کھڑکیوں میں دھیمی دھیمی روشنی
چور بن کر چھپ گئی ہے ہر مکاں میں تیرگی

حُسن وحشی ہو چلا ہو اُس گھڑی دیکھو اُسے
سانپ زہری ہو چلا ہو اُس گھڑی دیکھو اُسے

ایک خوش باش لڑکی

کبھی چور آنکھوں سے دیکھ لیا
کبھی بے دھیانی کا زہر دیا

کبھی ہونٹوں سے سرگوشی کی
کبھی چال چلی خاموشی کی

جب جانے لگے تو روک لیا
جب بڑھنے لگے تو ٹوک دیا

اور جب بھی کوئی سوال کیا
اُس نے ہنس کر ہی ٹال دیا

ذرّوں کا ملاپ

جب نین بھی ہوئے نشیلے
کچھ بول بھی ہوئے سُریلے
اور ہونٹ بہت زہریلے

اُن سے کہا نہ گیا
ہم سے رہا نہ گیا

بجلی لرز گئی
بدلی برس گئی

وعدہ خلافی

آنا تھا اُس کو پر نہیں آئی
یہ بھی عجب ہی بات ہُوئی

اسی سوچ میں شام ڈھلی
اور دھیرے دھیرے رات ہُوئی

جانے اب وہ کہاں پہ ہوگی
عنبر کی مہکار لیے

بیٹھے رہ گئے ہم تو یونہی
پھُولوں کے کچھ ھار لیے

ع۔ا کے لیے

آنکھیں کھول کے سُن ری گوری
میں ہوں وہ آواز
دن کا سُورج ڈوب گیا تو
بنے گی گہرا راز
جتنا وقت ملا ہے تجھ کو
اس کو کام میں لا
مُجھ کو کھو دینے سے پہلے
میرے سامنے آ
رو رو کر پھر ہاتھ ملے گی
جب دن بیت گیا

جُدائی

مُڑ کر دیکھا تو انجم تھی

حیراں آنکھوں والی انجم
بڑی بڑی آنکھوں کو کھولے
مجھ کو ایسے دیکھ رہی تھی
جاتی رُت کا پھول ہوں جیسے
یا آوارہ جھونکا
جو بنتا ہے درد دلوں کا
یا آنسو آنکھوں کا

خوُد کلامی

مر بھی جاؤں تو مت رونا
اپنا ساتھ نہ چھوٹے گا

تیری میری چاہ کا بندھن
موت سے بھی نہیں ٹوٹے گا

میں بادل کا بھیس بدل کر
تجھ سے ملنے آؤں گا

تیرے گھر کی سُونی چھت پر
غم کے پھُول اُگاؤں گا

جب تو اکیلی بیٹھی ہوگی
تجھ کو خوُب رُلاؤں گا

ایک دفعہ

اِک دفعہ
وُہ مجُھ سے لپٹ کر
کسی دُوسرے شخص کے غم میں
پھُوٹ پھُوٹ کر روئی تھی

وطن میں واپسی

کل وہ ملی جو بچپن میں میرے بھائی سے کھیلا کرتی تھی
جانے تب کیا بات تھی اُس میں مجھ سے بہت ہی ڈرتی تھی

پھر کیا ہوا؟ وہ کہاں گئی؟ اب کون یہ باتیں جانتا ہے
کب اتنی دُوری سے کوئی شکلوں کو پہچانتا ہے

لیکن اب جو ملی ہے مجھ سے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا
اُس کو اتنی چاہ تھی میری، میں نے کبھی نہ سوچا تھا
نام بھی اُس نے بچّے کا میرے ہی نام پہ رکھا تھا

پھر کہیں اس سے بچھڑ نہ جاؤں ایسے مجھ کو تکتی تھی
کوئی گہری بات تھی جی میں جسے وہ کہہ بھی نہ سکتی تھی

ایسی چپ اور پاگل آنکھیں دمک رہی تھیں شدّت سے
میں تو سچ مچ ڈرنے لگا تھا اس خاموش محبّت سے

بسنت رُت

کام دیو کی دھنش سے نکلے موہن تیکھے بان
سکھ ساگر کی لہریں آئیں چڑھتے چندر سمان

نگر نگر میں چھڑا ہُوا ہے مدھر ملن کا راگ
سدا سہاگن چنچل ناریں ہنس ہنس کھیلیں پھاگ

سبز ہوا میں کھلی ہُوئی ہے ہرے رنگ کی گھاس
کُنج کُنج میں جاگ رہی ہے پیلے پھُول کی باس
پھر بھی لاکھوں سندریوں کا کومل من ہے اُداس

مدھر ملن

گھر کی منڈیروں پر گھر آئی کالی گھور گھٹا
بوندوں کی رم جھم میں سارے شہر کا شور مٹا
بجلی نے نیلے پربت کو لہو لہان کیا

چھت پر پازیبوں کے سُر کا اُجلا پھول کھلا
بندیا کے رنگوں میں دُکھ کا ساگر ڈوب گیا
لاج کی خوشبو کا سندیسہ چاروں اور بڑھا

بجلی نے نیلے پربت کو لہو لہان کیا

پرنگیا

کیسے میٹھے بول سُنے ہیں پھر بھی میں خاموش رہا ہُوں
اپنے ہی غم کے نشے کی تانوں سے مدہوش رہا ہُوں

آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا جب اُس نے پرنام کیا تھا
اُس کی اُس اندھی پوجا کا مَیں نے یہ انعام دیا تھا

چلی گئی تو میں نے دل کو یہ کہہ کر سمجھایا تھا
وہ اک شام کا سایہ تھا جو مجھے ستانے آیا تھا

جو ہونا تھا ہو بھی چکا ہے اب میں اور نہ درد سہوں گا
میں بھی اب سے شام کا سایہ بن کر اُس کے ساتھ رہوں گا

جاگو موہن پیارے

چھُپے گگن کی اوٹ میں اُس کے نینوں جیسے تارے
دُکھ کا سندیسہ لے کر آئے چاہت کے ہرکارے
آئی نہ ملنے رادھا رانی لاکھ جتن کر ہارے
رات گزر گئی سپنوں والی جاگو موہن پیارے

سارے رُوپ

ہنس ہنس پریت جتاتے دیکھا
جھوٹی قسمیں کھاتے بھی

اپنی چاہ میں روتے دیکھا
ناطہ توڑ کے جاتے بھی

گہری شام کی بجلی بن کر
پربت پر لہراتے بھی

ساون کی منہ زور ہوا میں
چھت کے دیئے جلاتے بھی

دُوری کا گیت

نیل گگن کا گہرا ساگر
تارے بہتے جاتے ہیں
اپنے اپنے دُکھ کی کہانی
مُجھ سے کہتے جاتے ہیں

ان کے جی کو روگ لگا ہے
چندر ماں کی دُوری کا
لیکن کِس سے ٹوٹ سکا ہے
بندھن اس مجبُوری کا

اسی اُداسی کے تیروں کو
دل پر سہتے جاتے ہیں
نیل گگن کا گہرا ساگر
تارے بہتے جاتے ہیں

راستے کی سوچ

شام تھی سونے پنگھٹ جیسی گہرے گہرے بادل تھے
اب تک مجھ کو یاد ہے جب میں چلا تھا چھپ کے مدھوبن سے

کتنی دیر لگائی مَیں نے بگڑے کام بنانے میں
بیت گئے ہیں کئی زمانے جا کر واپس آنے میں

کیسے اُس کے دل سے میں یہ گہری بات بھلاؤں گا
کیا منہ لے کر میں اپنی رادھا کے سامنے جاؤں گا

راستے کی تھکن

آس پاس کوئی گاؤں نہ دریا اور بدریا چھائی ہے
شام بھی جیسے کسی پرانے سوگ میں ڈوبی آئی ہے
پل پل بجلی چمک رہی ہے اور میلوں تنہائی ہے

کتنے جتن کیے ملنے کو پھر بھی کتنی دُوری ہے
چلتے چلتے ہار گیا میں پھر بھی راہ ادھوری ہے
گھائل ہے آواز ہوا کی اور دل کی مجبُوری ہے

جنگل میں زندگی

پُر اسرار بلاؤں والا
سارا جنگل دشمن ہے
شام کی بارش کی ٹپ ٹپ
اور میرے گھر کا آنگن ہے

ہاتھ میں اک ہتھیار نہیں ہے
باہر جاتے ڈرتا ہُوں
رات کے بھوکے شیروں سے
بچنے کی کوشش کرتا ہُوں

جنگل کا جادو

جس کے کالے سایوں میں ہے وحشی چیتوں کی آبادی
اس جنگل میں دیکھی میں نے لہو میں لتھڑی اک شہزادی

اس کے پاس ہی ننگے جسموں والے سادھو جھوم رہے تھے
پیلے پیلے دانت نکالے نعش کی گردن چوم رہے تھے

ایک بڑے سے پیڑ کے اُوپر کچھ گدھ بیٹھے اُونگھ رہے تھے
سانپوں جیسی آنکھیں میچے خوُن کی خوشبو سونگھ رہے تھے

سُندربَن میں ایک رات

رات تھی گہرے راز سی
چھپی ہُوئی آواز سی
میں بھی رستہ بھُول کے
چھوڑ کے ساتھی پھُول سے
دیکھ کے بڑھتی رات کو
سر پر چڑھتی رات کو
ڈر کر دھوکا کھا گیا
اِس جنگل میں آ گیا
یہاں عجب ہی حال تھا
بن تھا گہرے جال سا
سبز کے اندر لال سا
پیڑ تھے کچھ نمناک سے
گُم سُم اور غمناک سے
اُونچے ہیبت ناک سے
اُوپر چاند کی روشنی
نیچے گہری تیرگی
شیر دھاڑا دیر تک
جنگل گونجا دیر تک

اُداس کرنے والی آواز

آدھی رات اور ایسا موسم
ساری دنیا سوتی ہے

دُور سے آتی تیز ہوا
خوشبُو کے ہار پروتی ہے

چھُپ کر دیکھوں کون ہے یہ
جو پھُوٹ پھُوٹ کر روتی ہے

سفر سے روکنے والی آواز

"ٹھہر جانا — ٹھہر جانا —
بلاتی ہے ارے ناداں
تجھے آواز گھائل سی

سنبھل جانا — نہ رُک جانا
صدا ہے یہ ارے ناداں
ہوا میں اُڑتے بادل کی

ویران درگاہ میں آواز

اک بڑی درگاہ تھی اور ہلکی ہلکی چاندنی
مسکراہٹ جیسے پہلے آدمی کی نعش کی

چلتے چلتے میں نے کوئی سرسراہٹ سی سُنی
ہولے ہولے پاس آتی ایک آہٹ سی سُنی

دُور تک کچھ بھی نہ تھا معبد کے سائے کے سوا
میری اپنی چاپ ہی سے میرا دل ڈرنے لگا

خوف سے گھبرا کے میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی
اُف خدا ! یہ سانس جیسے اک قیامت بن گئی

دیر تک جیسے سفر کرتی ہے گنُبد کی صدا
تھا اثر ایسا ہی کچھ اُس میری آہِ سرد کا

صحن سارا سہمی سہمی آہٹوں سے بھر گیا
بڑھ رہا ہو چھپ کے جیسے دشمنوں کا قافلہ

"کون ہے ؟"

"کون ہے؟" میں اک عجیب موجودگی سے ڈر گیا
جیسے کوئی تھا وہاں پر، پھر بھی وہ روپوش تھا

"کون ہے؟ — کون ہے؟ — کون ہے؟"
یوں جواب آتا رہا جیسے کوئی بلے چین نئے

"کیا یہاں کوئی نہیں ہے؟"
میں نے پھر ڈر کر کہا

"کوئی ہے — کوئی نہیں ہے
کوئی ہے — کوئی نہیں ہے"
دیر تک ہوتا رہا

ایک اور خواہش

خواہشیں ہیں دل میں اتنی جتنے اس دُنیا میں غم

شوق سے جلتی جبینیں اور جادو کے صنم
مہرباں سرگوشیاں ، نامہربانی کے ستم
آنکھ کے پُرپیچ رستے ، ریشمی زلفوں کے خم

اصل میں کیا ہے یہ سب ؟ کچھ بھی پتہ چلتا نہیں
چاند جیسے آسماں کا جو کبھی ڈھلتا نہیں
شعلہ جیسے وہم کا ، بجھتا نہیں جلتا نہیں

لاکھ کوشش کر چکا ہُوں پھر بھی کچھ سمجھا نہیں
لاکھ شکلیں دیکھ لی ہیں پھر بھی کچھ دیکھا نہیں

گر خبر مل جائے مجھ کو اس نرالے راز کی
ٹوٹ جائے حد کہیں تخیل کی پرواز کی

وجُود کی اہمیّت

تو ہے تو پھر میں بھی ہُوں
میں ہوں تو یہ سب کچھ ہے
دُکھ کی آگ بھی، موت کا غم بھی
دل کا درد اور آنکھ کا نم بھی

میں جو نہ ہوتا
میری طرح پھر کون
جہاں کے
اتنے غموں کا بوجھ اُٹھاتا
دوزخ کے شعلوں میں جل کر
شعروں کے گلزار کھلاتا

فنا اور بقا

ابھی ان گنت دل رُبا صورتیں ہیں
جو مٹی کے ذروں، ہوا کے جھکروں، فلک کے ستاروں، گلوں کے تعطّر
میں پوشیدہ و نادمیدہ پڑی ہیں
کبھی شام آئے گی
جب ہر جگہ ان کی باتوں کی بجتی ہوئی گھنٹیوں کے مدھر شور کی لَے سے بھر جائے گی
ہر گلی ان کے نازک دبلے پاؤں چلنے کی آہٹ کے جادو میں کھو جائے گی
ہر بچھی سیج ان کے تنفس کی جلتی ہوئی خوشبوؤں سے مہک جائے گی
پھر اسی طرح جیسے تم اب میرے پہلو میں چپ بیٹھی شرما رہی ہو
کبھی رات آئے گی
جب وہ بھی سولہ سنگاروں سے سج کر
کسی پریمی کی میٹھی سنگت میں بیٹھی
خود اپنی ہی سوچوں سے شرمائیں گی

جبر کا اختیار

تاج پہن کر شاہ بنوں یا گلیوں کا رہگیر
دیا بنوں اور جلوں ہوا میں یا زہریلا تیر

میرے بس میں ہے اب سب کچھ، موت ہے مری اسیر
آسمان میرے پاؤں تلے ہے، مٹھی میں تقدیر

مجھ کو گھائل کر نہیں سکتی چاہت کی شمشیر
کتنے جتن سے توڑی میں نے خواہش کی زنجیر

مَیں اور میرا خُدا

لاکھوں شکلوں کے میلے میں تنہا رہنا میرا کام
بھیس بدل کر دیکھتے رہنا تیز ہواؤں کا کہرام
ایک طرف آواز کا سورج، ایک طرف اک گونگی شام
ایک طرف جسموں کی خوشبو، ایک طرف اس کا انجام
بن گیا قاتل میرے لیے تو اپنی ہی نظروں کا دام
سب سے بڑا ہے نام خدا کا اس کے بعد ہے میرا نام

میں اور میرا سایہ

اک دفعہ میں آگے بھاگا
اور وہ میرے پیچھے
اک دفعہ وہ آگے آگے
اور میں اُس کے پیچھے

مذہبی کہانیوں کا درخت

درخت مستی میں جھومتا ہے
اسے نہ چھیڑو ، اسے نہ چھیڑو
اسے بس اپنے اکیلے پن میں
اُداس رہنے دو ، جھومنے دو
ہمیشہ اک جیسے رات دن کے
اُجاڑ مدفن میں گھومنے دو

کبھی نہ اس کے قریب جانا
کہ اس کا پھل موت ہے ہمیشہ
اسے بس اپنے اکیلے پن میں
اُداس رہنے دو ، جھومنے دو
ہمیشہ اک جیسے رات دن کے
اُجاڑ مدفن میں گھومنے دو

وجود کی حقیقت

جلتا ہے بدن سارا ، بھڑکا ہے لہو میرا
لبریز ہے شعلوں کی سُرخی سے سبو میرا

اک سانپ مرے تن سے لپٹا ہے محبت سے
مجبُور ہے لیکن وہ زہریلی طبیعت سے

پھنکار کے ہونٹوں پر ڈستا ہے وہ جب مجُھ کو
لگتا ہے عجب اس کی آنکھوں کا غضب مجھ کو
اور زہر دکھاتا ہے اک خوابِ طرب مجُھ کو

آتی ہے سزا بن کے یاد اپنی حقیقت کی
خواہش کے جہنّم میں اک چیخ مسرّت کی

ایک باغی بیٹے کی تصویر

باپ مرتا جارہا تھا ، ماں بہت دلگیر تھی
چپ تھی بس جیسے وہ کوئی خواب کی تصویر تھی

ہر طرف پیڑوں کے سایے ، شام تھی تنہا بہت
اور بیٹا باپ کے اس حال پر رویا بہت

دیکھ کر اک دوسرے کو کوئی بھی بولا نہیں
کیا تھا ان کے سخت دل میں . راز یہ کھولا نہیں

دل دکھی تھے ، نظریں گہرے غم نصیبوں کی طرح
پھر بھی دونوں لگ رہے تھے دو رقیبوں کی طرح

میرے دشمن کی موت

تیغ لہو میں ڈوبی تھی اور پیڑ خوشی سے جھوما تھا
بادِ بہاری چلی جھوم کے جب اُس نے مجھے دیکھا تھا
گھائل نظریں اُس دشمن کی ایسے مجھ کو تکتی تھیں
جیسے انہونی کوئی دیکھی ان کمزور نگاہوں نے

یہ انصاف تو بعد میں ہوگا، کیا جھوٹا کیا سچّا ہے
کون یقین سے کہہ سکتا ہے۔ کون بُرا کون اچّھا ہے
لیکن پھر بھی ایک بار تو میرا دل بھی کانپا تھا
کاش یہ سب کچھ کبھی نہ ہوتا میں نے دکھ سے سوچا تھا
گھائل نظریں اُس دشمن کی گہری سوچ میں کھوئی تھیں
جیسے انہونی کوئی دیکھی ان کمزور نگاہوں نے

کون ہُوں میں اور کون تھا وہ جس پر ہونی نے وار کیا
کون تھا وہ جس شخص کو میں نے بھری بہار میں مار دیا

O

ڈوبا نڈھال سُورج ، تاروں کا باغ چمکا
پیڑوں کی چوٹیوں پر مہ کا چراغ چمکا

گزرے دنوں کی لَو سے میرا دماغ چمکا
گم گشتہ عشرتوں کی رہ کا سراغ چمکا

جاگی ہر اک گلی میں عطرِ حنا کی خوشبُو
اس نکہتِ رواں میں ہر دل کا داغ چمکا

بہنے لگی ہے ندی اک سرخ رنگ مے کی
اک شوخ کے لبوں کا لعلیں ایاغ چمکا

○

وقت سے کہیو ذرا کم کم چلے
کون یاد آیا ہے آنسو تھم چلے

دم بخود کیوں ہے خزاں کی سلطنت
کوئی جھونکا، کوئی موجِ غم چلے

چار سُو باجیں پلوں کی پائلیں
اس طرح رقاصۂ عالم چلے

دیر کیا ہے آنے والے موسمو
دن گزرتے جا رہے ہیں، ہم چلے

کس کو فکرِ گنبدِ قصرِ حباب
آبجو پیہم چلے، پیہم چلے

○

شام آئی ہے شرابِ تیز پینا چاہیے
ہو چکی ہے دیر اب زخموں کو سینا چاہیے

مر گئے تو پھر کہاں یہ حُسنِ زارِ زندگی
زخمِ دل گہرا بہت ہے پھر بھی جینا چاہیے

آج وہ کس دھج سے سیرِ گلستاں میں محو ہے
چھُپ کے اُس کے ہاتھ سے وہ پھول چھِینا چاہیے

ابر میں چھپایا ہُوا اور باغ ہو مہکا ہُوا
گود میں گلفام ہو اور پاس مینا چاہیے

جا بجا میلے لگے ہیں لال ہونٹوں کے منیر
تیرگی میں دیکھنے کو چشمِ بینا چاہیے

باد بہارِ غم میں وہ آرام بھی نہ تھا
وہ شوخ آج شام لبِ بام بھی نہ تھا

دردِ فراق ہی میں کٹی ساری زندگی
گرچہ ترا وصال بڑا کام بھی نہ تھا

رستے میں ایک بھولی ہوئی شکل دیکھ کر
آواز دی تو لب پہ کوئی نام بھی نہ تھا

کیوں دشتِ غم میں خاک اُڑاتا رہا منیرؔ
میں جو قتیلِ حسرتِ ناکام بھی نہ تھا

O

اپنا تو یہ کام ہے بھائی، دل کا خون بہاتے رہنا
جاگ جاگ کر ان راتوں میں شعر کی آگ جلاتے رہنا

اپنے گھروں سے دُور بنوں میں پھرتے ہُوئے آوارہ لوگو
کبھی کبھی جب وقت ملے تو اپنے گھر بھی جاتے رہنا

رات کے دشت میں پھول کھلے ہیں بھولی بسری یادوں کے
غم کی تیز شراب سے ان کے تیکھے نقش مٹاتے رہنا

خوشبو کی دیوار کے پیچھے کیسے کیسے رنگ جمے ہیں
جب تک دن کا سُورج آئے اس کا کھوج لگاتے رہنا

تم بھی منیرؔ اب ان گلیوں سے اپنے آپ کو دُور ہی رکھنا
اچھا ہے جھوٹے لوگوں سے اپنا آپ بچاتے رہنا

○

جب بھی گھر کی چھت پر جائیں ناز دکھانے آجاتے ہیں
کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آجاتے ہیں

دن بھر جو سورج کے ڈر سے گلیوں میں چھپ رہتے ہیں
شام آتے ہی آنکھوں میں وہ رنگ پرانے آجاتے ہیں

جن لوگوں نے ان کی طلب میں صحراؤں کی دھول اُڑائی
اب یہ حسیں ان کی قبروں پر پھول چڑھانے آجاتے ہیں

کون سا وہ جادو ہے جس سے غم کی اندھیری، سرد گپھا میں
لاکھ نسائی سانس دلوں کے روگ مٹانے آجاتے ہیں

زرے کے ریشمیں رومالوں کو کس کس کی نظروں سے چھپائیں
کیسے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ راز چھپانے آجاتے ہیں

ہم بھی منیرؔ اب دنیا داری کر کے وقت گزاریں گے
ہوتے ہوتے جینے کے بھی لاکھ بہانے آجاتے ہیں

○

گھپ اندھیرے میں چھپے سُونے بنوں کی اور سے
گیت برکھا کے سنو رنگوں میں ڈوبے مور سے

شام ہوتے ہی دلوں کی بے کلی بڑھنے لگی
ڈر رہی ہیں گوریاں چلتی ہوا کے زور سے

رات کے سنسان گنبد میں رچی ہے راس سی
پہرے داروں کی صداؤں کے طلسمی شور سے

لاکھو پلکوں کو جھکاؤ، لاکھ گھونگھٹ میں چھپو
سامنا ہو کر رہے گا دل کے موہن چور سے

بھاگ کر جائیں کہاں اس دیس سے اب اے منیر
دل بندھا ہے پریم کی سُندر، سجیلی ڈور سے

○

"اپنے گھر کو واپس جاؤ" رو رو کر سمجھاتا ہے
جہاں بھی جاؤں میرا سایہ پیچھے پیچھے آتا ہے

اس کو بھی تو جا کر دیکھو، اس کا حال بھی مجھ سا ہے
چُپ چپ رہ کر دُکھ سہنے سے تو انساں مر جاتا ہے

مجھ سے محبت بھی ہے اس کو لیکن یہ دستور ہے اس کا
غیر سے ملتا ہے ہنس ہنس کر مجھ سے ہی شرماتا ہے

کتنے یار ہیں پھر بھی منیرؔ اس آبادی میں اکیلا ہے
اپنے ہی غم کے نشے سے اپنا جی بہلاتا ہے

○

جو دیکھے تھے جادو ترے ہات کے
ہیں چرچے ابھی تک اسی بات کے

گھٹا دیکھ کر خوش ہوئیں لڑکیاں
چھتوں پر کھِلے پھُول برسات کے

مجھے دردِ دل کا وہاں لے گیا
جہاں دَر کھلے تھے طلسمات کے

ہوا جب چلی پھڑ پھڑا کر اُڑے
پرندے پرانے محلّات کے

نہ تُو ہے کہیں اور نہ میں ہُوں کہیں
یہ سب سلسلے ہیں خیالات کے

منیرؔ آ رہی ہے گھڑی وصل کی
زمانے گئے ہجر کی رات کے

O

پھول تھے ، بادل بھی تھا اور وہ حسیں صورت بھی تھی
دل میں لیکن اور ہی اک شکل کی حسرت بھی تھی

جو ہوا میں گھر بنائے کاش کوئی دیکھتا
دشت میں رہتے تھے پر تعمیر کی عادت بھی تھی

کہہ گیا میں سامنے اس کے جو دل کا مدّعا
کچھ تو موسم بھی عجب تھا ، کچھ مری ہمت بھی تھی

اجنبی شہروں میں رہتے عمر ساری کٹ گئی
گو ذرا سے فاصلے پر گھر کی ہر راحت بھی تھی

کیا قیامت ہے منیرؔ اب یاد بھی آتے نہیں
وہ پرانے آشنا ، جن سے ہمیں اُلفت بھی تھی

○

تجھ سے بچھڑ کر کیا ہوں میں، اب باہر آ کر دیکھ
ہمت ہے تو میری حالت آنکھ ملا کر دیکھ

شام ہے گہری، تیز ہوا ہے، سر پہ کھڑی ہے رات
رستہ گئے مسافر کا اب دِیا جلا کر دیکھ

دروازے کے پاس آ آ کر واپس مُڑتی چاپ
کون ہے اس سُنسان گلی میں، پاس بُلا کر دیکھ

شاید کوئی دیکھنے والا ہو جائے حیران
کمرے کی دیواروں پر کوئی نقش بنا کر دیکھ

تُو بھی منیرؔ اب بھرے جہاں میں مل کر رہنا سیکھ
باہر سے تو دیکھ لیا اب اندر جا کر دیکھ

○

پی لی تو کچھ پتہ نہ چلا وہ سرور تھا
وہ اس کا سایہ تھا کہ وہی رشکِ حُور تھا

کل میں نے اس کو دیکھا تو دیکھا نہیں گیا
مجھ سے بچھڑ کے وہ بھی بہت غم سے چُور تھا

رویا تھا کون کون مجھے کچھ خبر نہیں
میں اس گھڑی وطن سے کئی میل دُور تھا

شامِ فراق آئی تو دل ڈوبنے لگا
ہم کو بھی اپنے آپ پہ کتنا غرور تھا

چہرہ تھا یا صدا تھی کسی بُھولی یاد کی
آنکھیں تھیں اس کی یارو کہ دریائے نُور تھا

نکلا جو چاند، آئی مہک تیز سی منیر
میرے سوا بھی باغ میں کوئی ضرور تھا

○

عجب رنگ رنگیں قباؤں میں تھے
دل و جاں جیسے بلاؤں میں تھے

طلسمات ہونٹوں پہ، آنکھوں میں غم
نئے زیورات اُن کے پاؤں میں تھے

مہک تھی ترے پیرہن کی کہیں
گلستاں سے شب کی ہواؤں میں تھے

ذرا پی کے دیکھا جو چاروں طرف
مکان و مکیں سب خلاؤں میں تھے

یہ شعلے جو سڑکوں پہ پھرتے ہیں اب
پہاڑوں کی کالی گپھاؤں میں تھے

اگر روک لیتے تو جاتا نہ وہ
مگر ہم بھی اپنی ہواؤں میں تھے

نگر بجس جیسے کھلا تھا منیرؔ
کچھ ایسے ہی منظر فضاؤں میں تھے

اپنی ہی تیغِ ادا سے آپ گھائل ہوگیا
چاند نے پانی میں دیکھا اور پاگل ہوگیا

وہ ہوا تھی شام ہی سے رستے خالی ہوگئے
وہ گھٹا برسی کہ سارا شہر جل تھل ہوگیا

میں اکیلا اور سفر کی شام رنگوں میں ڈھلی
پھر یہ منظر میری نظروں سے بھی اوجھل ہوگیا

اب کہاں ہوگا وہ اور ہوگا بھی تو ویسا کہاں
سوچ کر یہ بات جی کچھ اور بوجھل ہوگیا

حُسن کی دہشت عجب تھی وصل کی شب میں منیرؔ
ہاتھ جیسے انتہائے شوق سے شل ہوگیا

○

بادل برس رہا تھا وہ جب میہماں ہُوا
کل شام تو وہ مجھ پہ عجب مہرباں ہُوا

شاخِ گُل انار کھلی بھی تو سنگ میں
وہ دل ترا ہُوا یا لب خونفشاں ہُوا

مرغِ سحر کی تیز صدا اچھلی رات کو
ایسی تھی جیسے کوئی سفر پر رواں ہُوا

ٹھنڈی ہوا چلی تو جلیں مشعلیں ہزار
جو غم نظر میں چمکا تھا اب کہکشاں ہُوا

مَے بھی حریفِ دردِ تمنا نہیں ہُوئی
اپنے ہی غم کے نشے سے میں سرگراں ہُوا

زردی تھی رُخ پہ ایسی کہ میں ڈر گیا منیرؔ
کیا عطر تھا کہ صرفِ قبائے خزاں ہُوا

○

بیٹھ جاتا ہے وہ جب محفل میں آ کے سامنے
میں ہی بس ہوتا ہوں اُس کی اِس ادا کے سامنے

تیز تھی اتنی کہ سارا شہر سُونا کر گئی!
دیر تک بیٹھا رہا میں اُس ہوا کے سامنے

رات اِک اُجڑے مکاں پر جا کے جب آواز دی
گونج اُٹھے بام و دَر میری صدا کے سامنے

وہ رنگیلا ہاتھ میرے دل پہ اور اس کی مہک
شمعِ دل بُجھ سی گئی رنگِ حنا کے سامنے

مَیں تو اُس کو دیکھتے ہی جیسے پتّھر ہو گیا
بات تک منہ سے نہ نکلی بے وفا کے سامنے

یاد بھی ہیں اے منیرؔ اس شام کی تنہائیاں
ایک میداں، اک درخت اور تو خُدا کے سامنے

O

غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تُو نے مجُھ کو کھو دیا، میں نے تجھے کھویا نہیں

نیند کا ہلکا گلابی سا خمار آنکھوں میں تھا
یوں لگا جیسے وہ شب کو دیر تک سویا نہیں

ہر طرف دیوار و در اور ان میں آنکھوں کے ہجوم
کہہ سکے جو دل کی حالت وہ لبِ گویا نہیں

جُرم آدم نے کیا اور نسلِ آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر مَیں نے جو بویا نہیں

جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو مَیں بھی منیؔر
غم سے پتّھر ہو گیا لیکن کبھی رویا نہیں

○

شبِ ماہتاب نے شہ نشیں پہ عجیب گُل سا کھِلا دیا
مجھے یوں لگا کسی ہاتھ نے مرے دل پہ تیر چلا دیا

کوئی ایسی بات ضرور تھی شبِ وعدہ وہ جو نہ آ سکا
کوئی اپنا وہم تھا درمیاں یا گھٹا نے اُس کو ڈرا دیا

یہی آن تھی مری زندگی، لگی آگ دل میں تو اُف نہ کی
جو جہاں میں کوئی نہ کر سکا وہ کمال کر کے دکھا دیا

یہ جو لال رنگ پتنگ کا سرِ آسماں ہے اُڑا ہُوا
یہ چراغ دستِ حنا کا ہے جو ہوا میں اُس نے جلا دیا

مرے پاس ایسا طلسم ہے جو کئی زمانوں کا اسم ہے
اُسے جب بھی سوچا بُلا لیا، اُسے جو بھی چاہا بنا دیا

آیئنہ بن کر کبھی اُن کو بھی حیراں دیکھیے
اپنے غم کو اُن کی صورت سے نمایاں دیکھیے

اس دیارِ چشم و لب میں دل کی یہ تنہائیاں
ان بھرے شہروں میں بھی شامِ غریباں دیکھیے

عمر گزری دل کے بجھنے کا تماشا کر چکے
کس نظر سے بام و در کا یہ چراغاں دیکھیے

دیکھیے اب کے برس کیا گُل کھلاتی ہے بہار
کتنی شدت سے مہکتا ہے گلستاں دیکھیے

اے منیر اس انجمن میں چشمِ لیلیٰ کا خیال
سردیوں کی بارشوں میں برق لرزاں دیکھیے

○

ہنسی چھپا بھی گیا اور نظر ملا بھی گیا
یہ اک جھلک کا تماشا جگر جلا بھی گیا

اُٹھا، تو جا بھی چکا تھا، عجیب مہماں تھا
صدائیں دے کے مجھے نیند سے جگا بھی گیا

غضب ہُوا جو اندھیرے میں جل اُٹھی بجلی
بدن کسی کا طلسمات کچھ دکھا بھی گیا

نہ آیا کوئی لبِ بام، شام ڈھلنے لگی
وفورِ شوق سے آنکھوں میں خوُن آ بھی گیا

ہوا تھی، گہری گھٹا تھی، حنا کی خوشبو تھی
یہ ایک رات کا قصہ لہُو رُلا بھی گیا

چلو منیر چلیں، اب یہاں رہیں بھی تو کیا
وہ سنگ دل تو یہاں سے کہیں چلا بھی گیا

○

دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا
جب تک رہا میں ساتھ مرے یہ ہنر رہا

صبحِ سفر کی رات تھی، تارے تھے اور ہوا
سایہ سا ایک دیر تلک بام پر رہا

میری صدا ہوا میں بہت دُور تک گئی
پر میں بُلا رہا تھا جسے ، بے خبر رہا

گزری ہے کیا مزے سے خیالوں میں زندگی
دُوری کا یہ طلسم بڑا کارگر رہا

خوف آسماں کے ساتھ تھا سر پر جھکا ہوا
کوئی ہے بھی یا نہیں ہے، یہی دل میں ڈر رہا

اُس آخری نظر میں عجب درد تھا منیرؔ
جانے کا اُس کے رنج مجھے عمر بھر رہا

گیت

چاروں کھونٹ مرلیا باجے ، دُھن موہن ، متواری

جمنا تٹ پر آن براجے سانورے شیام مراری

چاروں کھونٹ مرلیا باجے ، دُھن موہن ، متواری

جس کو سُن کر سوچ میں کھو گئی برندا بن کی ناری

چاروں کھونٹ مرلیا باجے ، دُھن موہن ، متواری

جنم جنم سے یہی مرلیا موہ کا گیت سُنائے

برندا بن کی ناری کو جمنا کے تٹ پہ بُلائے

کیسے کوئی لاج کے بندھن توڑ کے پریت نبھائے

گرج گرج کے جی کو جلاتی آئی بدریا کاری

گیت

اے صاحبِ جمال
اب آ کے دیکھ تیرے لیے کیا ہے میرا حال
اے صاحبِ جمال

کچھ رحم کر نہ اتنے تغافل سے کام لے
آ اور مسکرا کے مرا ہاتھ تھام لے
تیرے بغیر مجھ کو تو جینا ہُوا محال
اے صاحبِ جمال

دُنیا سے دُور، اس کی بھری محفلوں سے دُور
چوکھٹ پہ تیری آ کے گرا ہوں غموں سے چُور
پردہ اُٹھا کے سُن بھی ذرا اب مرا سوال
اے صاحبِ جمال

گیت

نیلے نیلے آسمان پر بادل ہیں چمکیلے
جانے کیا دیکھا گوری نے ہو گئے نین نشیلے

نیلے نیلے آسمان پر.....

سایہ بن کر دل سے گزری یاد گئی برساتوں کی
یاد دیکھی تصویر نظر نے پیار میں ڈوبی راتوں کی

نیلے نیلے آسمان پر......

روشنیاں سی دمک رہی ہیں آج کسی نگاہوں میں
چلی ہوا دیوانی ہو کر، پھول برس گئے راہوں میں

نیلے نیلے آسمان پر.....

اُڑی مہک کالے بالوں سے، جیسے دُور اندھیرے میں
پھلواڑی کوئی کھلی ہُوئی ہو دیواروں کے گھیرے میں

نیلے نیلے آسمان پر......

پُرانے گھر کا گیت

شام ہُوئی گھر آ باورے، شام ہُوئی گھر آ
تُو نے سفر میں کیا کچھ دیکھا ہم کو بھی تو سنا، باورے
شام ہُوئی گھر آ

کیسے کیسے لوگ ملے تھے، کیا تھا ان کا نام
کہاں کہاں کی خاک اُڑائی، کہاں کیا بِسرام
کون تھا جس نے تیرے دل سے مجھ کو دیا بُھلا، باورے
شام ہُوئی گھر آ

پچھلے پہر کا چاند تھا کتنا چُپ چُپ اور اُداس
اک سایہ خاموش کھڑا تھا دیواروں کے پاس
یاد ہے اُس نے تجھ سے کہا تھا: "آج رات مت جا" باورے
شام ہُوئی گھر آ

گیت

کب تک چلتا رہے گا راہی ان انجانی راہوں میں
کب تک شمع جلے گی غم کی ان بے چین نگاہوں میں

وہ بھی بھول گیا ہو گا تجھے دُنیا کے جنجالوں میں
کتنا بدل گیا ہے تُو بھی آتے جاتے سالوں میں
گا کوئی گیت خوشی کا پاگل کیا رکھا ہے آہوں میں

مل بھی گیا وہ، پھر کیا ہو گا؟ لاکھوں ملتے دیکھے ہیں
یہ گُلزار تو رات کی چُپ میں سب نے کھِلتے دیکھے ہیں
رات کٹی تو خاک اُڑتی ہے پیار کی جلوہ گاہوں میں
کب تک ......

گیت

کس کو ڈھونڈنے گھر سے نکلی — اے راتوں کی ہوا
کہاں ہیں تیرے من کے موہن — کچھ تو بھید بتا
اے راتوں کی ہوا

اسکی کھوج میں چلتے چلتے تھکیں گے تیرے پاؤں
پھر بھی دُور رہے گا تجھ سے اس پریتم کا گاؤں
چھوڑ یہ دُکھ کا کھیل باوری — گھر کو واپس جا
اے راتوں کی ہوا

پربت کے نیلے جھرنوں کو اپنے گیت سُنا
اُونچے اُونچے پیڑوں والے بن کی ہنسی اُڑا
اے راتوں کی ہوا

گیت

شام کا تارا چمکے ایسے
جیسے مست رسیلے نین

جب میں بکھری آوازوں کے سُونے بَن سے گزر کر
ڈری ہُوئی آنکھوں میں گہرے غم کے خزانے بھر کر
سُنتا جاؤں ڈگر ڈگر پر تیز ہوا کے گھائل بین
شام کا تارا چمکے ایسے
جیسے مست رسیلے نین

کِس منزل کا راہی ہوں میں، کوئی نہ اُس کو جانے
کیسا درد ہے دل میں میرے، کون اسے پہچانے
کھڑی ہُوئی ہے سر پہ دُکھ کی لمبی، کالی رین
شام کا تارا چمکے ایسے

گیت

او متوالی نار
چھوڑ کے سب سنسار
جا موہن کے دوار ـــــ او متوالی نار

دیکھ گھٹا گھنگھور
سُن ہردے کا شور
کر سولہ سنگھار ـــــ او متوالی نار

پھر آئے گی رین
کرے گی من بے چین
پیاسے رہیں گے نین
پڑے گی دُکھ کی بھوار ـــــ او متوالی نار

گیت

شور کرتے، گونجتے، گھنگھور کالے بادلو
لاؤ اس بھولے سمے کی دل جلاتی شام کو
شور کرتے، گونجتے، گھنگھور کالے بادلو

ہونٹ جلتے دیپ، آنکھیں رنگ کی پچکاریاں
اپنے اپنے دھیان میں ڈوبی سجیلی ناریاں
اس رسیلی راس کو بس دور سے تکتے رہو
شور کرتے، گونجتے، گھنگھور کالے بادلو

بانسری کی دُھن کہیں سُونے بنوں میں کھو گئی
رادھیکا موہن کا رستہ تکتے تکتے سو گئی
ڈھونڈ کر لاؤ کہیں سے اس سلونے شیام کو
شور کرتے، گونجتے، گھنگھور کالے بادلو

گیت

جس نے مرے دل کو درد دیا
اُس شکل کو میں نے بھلایا نہیں
اک رات کسی برکھا رُت کی
کبھی دل سے ہمارے مٹ نہ سکی
بادل میں جو چاہ کا پھُول کھِلا
وہ دھوپ میں بھی کمہلایا نہیں
جس نے مرے دل کو درد دیا
اُس شکل کو میں نے بھلایا نہیں
گجرے سے سجی پیاسی آنکھیں
ہر دوار سے درشن کو جھانکیں
پر جس کو ڈھونڈتے ہیں ھارا
اُس روپ نے درس دکھایا نہیں
جس نے مرے دل کو درد دیا
اُس شکل کو میں نے بھلایا نہیں

ہر راہ پہ سُندر نار کھڑی
چاہت کے گیت سناتی رہی
جس کے کارن ہیں کوی بنا
وہ گیت کسی نے سنایا نہیں
جس نے مرے دل کو درد دیا
اُس شکل کو میں نے بھلایا نہیں